حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی صدیقی

قومی ذہن کی تعمیر

وقت کی اہم ترین ضرورت ہے

قومی ذہن نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی سیاست ستر فیصد شیعی بیس فیصد قادیانی اور دس فیصد سیکولر رہی ....

ڈھاکہ کا سقوط، مشرقی پاکستان کی علیحدگی، خون مسلم کی ارزانی، دین کی بربادی، شعائر دین کی پامالی، اور کفر و ضلال کی طغیانی، یہ وہ واقعات ہیں جنہوں نے ہر حساس مسلمان کے قلب کو سراپا ناسور بنا دیا ہے۔ جو مرتے دم تک مندمل نہیں ہو سکتا۔ اس غم و اندوہ سے صرف احساس سے محروم افراد ان سنگدلان کے دل خالی ہیں، جنہوں نے غداری کر کے پاکستان کو یہ روز بد دکھایا۔ اور جو اسکی تباہی سے جنکی مراد بر آئی۔ لیکن اس احساس کے باوجود کیا ہم نے کوئی قدم اس نقصان عظیم کی تلافی کے لئے اٹھایا یا اپنے طرز عمل پر محاسبانہ اور ناقدانہ نظر کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ خود ہم سے تو کوئی ایسی غلطی نہیں سرزد ہو رہی جسکی سزا ہمیں مل رہی ہے-؟ افسوس اور حیرت کے ساتھ دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دینا پڑتا ہے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے اس حادثہ فاجعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سے الحق میں زعماء ملت کو متوجہ کیا تھا کہ ہماری شدید غلطی یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک اپنے کسی "قومی ذہن" کی تعمیر نہیں کی۔ ہمارے سیاسی اقدامات کی فکری بنیاد انفرادی ذہن یا زیادہ سے زیادہ جماعتی ذہن پر قائم ہوتی ہے۔ نہ ہمارا کوئی قومی ذہن ہے نہ اسکی تعمیر کی طرف ہماری کوئی توجہ۔ ہم غداروں، منافقوں، دوست نما دشمنوں کے فریب میں بار بار صرف اس لئے مبتلا ہوتے ہیں کہ ہمارا کوئی قومی ذہن نہیں جسکی ذکاوت و فطانت کا رعب غداروں کو غدر کرنے سے روک دے۔ اور اگر کوئی بے حیا اسکی جرأت کرے تو فوراً قوم کو اس سے آگاہ اور اس کے فریب سے ہوشیار کر دے۔

ــــــ ہمارے قومی ذہن کو دینی ہونا لازم ہے۔ کیونکہ ہماری حقیقی قومیت کی بنیاد دین ہے نہ کہ نسل یا وغیرہ۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی ہمارے اندر قومی ذہن ہی کا تصور مفقود ہے۔ دینی یا غیر دینی ہونے

کا مسئلہ تو اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

قومی ذہن کی ایک مثال میں نے انگلستان کو بطور مثال پیش کیا تھا۔ اس کا ایک قومی ذہن ہے۔ اور ہر انگریز اپنے اجتماعی مسائل کو اسی ذہن سے سوچتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ وزارتیں بدلتی رہتی ہیں۔ پارٹیاں بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ مگر برطانیہ کی پالیسی کے اصول کبھی نہیں بدلتے۔ چرچل گیا ایٹلی آیا۔ مگر وزارت عظمیٰ کے عہدے پر پہنچ کر دونوں نے ایک ہی ذہن سے سوچا۔ اور دونوں کی پالیسی اصولی اعتبار سے یکساں رہی امریکہ روس وغیرہ جملہ قومی ممالک و اقوام کو آپ ایسا ہی پائیں گے۔ ان میں سے کوئی قوم بھی قومی ذہن سے محروم نہیں، خواہ وہ ذہن ہمارے نقطۂ نظر سے اچھا ہو یا برا۔ لیکن عالم اسلامی عموماً اور پاکستان خصوصاً اجتماعی زندگی کے اس اہم اور ضروری عنصر سے محروم ہے۔ ہمارے زوال و انحطاط اور ہماری تباہی و بربادی میں اس محرومی کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ جب تک قومی ذہن کا وجود نہیں ہوتا، اس وقت تک افراد قوم صحیح معنی میں اجتماع کی منزل پر نہیں پہنچتے۔ امت کا شیرازہ پراگندہ ہی رہتا ہے۔ بظاہر جو اجتماعیت نظر آتی ہے۔ وہ بہت کمزور ہوتی ہے، جسے معمولی سا صدمہ منتشر کر دیتا ہے۔ ہماری کیفیت یہی ہے اور یہی رہے گی جب تک ہمارا قومی ذہن وجود میں نہ آجائے جس کی نوعیت خالص دینی ہو۔ اور جس کی تعمیر خالصۃً لوجہ اللہ صرف دین حق کی نصرت کے لئے کی گئی ہو۔ ہماری اجتماعی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ اس وقت ایک خالص دینی قومی ذہن کی تعمیر ہے۔

ہماری سیاسی ناکامیاں اور اس کا سبب داستان کا سرا تو بہت دور ہے۔ طوالت سے بچنے کیلئے بہتر ہے کہ ہم بقدر ضرورت پر اکتفا کریں۔ اور اپنے سیاسی حالات کا مختصر جائزہ لینے کے لئے صرف ماضی قریب پر نظر ڈالیں۔ داستان پاکستان مطالبہ پاکستان سے شروع ہوتی ہے۔ کیا ہمارا یہ مطالبہ پورا ہوا؟ اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔؟ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے نام سے جو خطہ ہمیں ملا اسے خواہ سطحی نگاہیں کامیابی ہی کیوں نہ قرار دیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ ہماری ناکامی کی بہت عبرتناک مثال ہے۔

—— یہ کٹا پھٹا پاکستان جس میں پنجاب اور بنگال کو کاٹ کر لاکھوں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ مطالبہ کے وقت قوم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔ بلکہ قوم صرف یہ چاہتی تھی کہ برصغیر کے دو ایسے خطے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، آزاد مسلم اسٹیٹ کی صورت میں تبدیل کرائے جائیں۔ پاکستان کا یہی تصور جملہ اہل ملت کے ذہنوں میں تھا، اگر ایسا ہو جاتا تو نہ خون مسلم کی یہ ارزانی ہوتی، نہ لاکھوں مسلمان خانہ برباد ہوتے، نہ ترک وطن کی کوئی ضرورت پیش آتی۔ اور نہ آج پاکستان زخم کاری کھا کر اپنے آدھے دھڑ سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوتا۔ ہمارا تصور کیا تھا۔؟ اور ہمیں کیا ملا۔؟ اس پر غور کیجئے تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی، کہ ہمیں سخت ناکامی

ہوئی۔ اور ہم اپنے اصل مقصد کو نہ حاصل کر سکے۔

حصول پاکستان کا مقصد ہمارے دیندار طبقہ نے یہ بیان کیا تھا کہ اس خطۂ ارضی میں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا۔ اس مقصد میں تو اس بری طرح ناکامی ہوئی کہ قوم کے ذہن میں یہ تصور بھی دھندلا ہو گیا۔ سنجیدہ اور پڑھے لکھے عوام کی بڑی تعداد اس کے حصول سے مایوس اور خواص کا بھی ایک معتدبہ گروہ برداشتہ خاطر ہو چکا ہے۔

اسلامی نظام کا نعرہ لگانے والے قائدین سے میں پوچھتا ہوں کہ پیچھے مڑ کر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ ۲۵ سال کی مدت میں آپ اسلامی نظام کی منزل سے قریب ہوتے ہیں یا دور۔ ؟ واضح بات ہے کہ آج سے ۲۵ سال پہلے "اسلامی نظام" کے قائم ہونے کے جتنے امکانات تھے، اب اس سے چوتھائی امکانات بھی بمشکل باقی ہیں۔ نعرے کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر اس کے وجود کے امکان کا دائرہ تنگ ہوتا گیا۔ آج تو شاید ہر سیاسی جماعت "اسلامی نظام" کا نعرہ لگا رہی ہے۔ مگر اس کے قیام کی توقع روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنے اسی سیاسی مقصد میں بھی بالکل ناکام ہیں۔ ! گویا ہماری سیاسی زندگی اور جدوجہد کا ماحصل ناکامی و نامرادی ہے۔ واقعہ روز روشن سے زیادہ روشن ہے جس کا انکار بدیہات کا انکار ہے۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے طرز عمل پر ناقدانہ نظر ڈال کر اس کھیا تکس اور ناکامی و نامرادی کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ ؟

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق۔

دین و سیاست سیاست دین کا ایک شعبہ بھی ہے اور اس کا خادم و محافظ بھی۔ اس راہ کے رہنما اگر غفلت یا غلطی کریں تو کاروانِ امت کی متاعِ دین خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ سیاست کی راہ میں جو بد دینی آتی ہے وعظ و تذکیر سے اسے روکنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ کتاب و سنت نے سیاست کو دین کا محافظ اور ناصر بنا دیا ہے۔ ارشادِ حق ہے:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔	(یہ مدنی صحابہ کرامؓ ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا فرما دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں گے۔

...

بالفاظ مختصر سیاسی اقتدار کا مقصد دینِ حق کا فروغ اور غلبہ ہے۔ اس میں یہ اصولی تعلیم پنہاں ہے کہ ہمارا ہر سیاسی اقدام صرف دینِ حق کی نصرت و غلبہ کے لئے ہونا چاہئے۔ جو قدم بھی ہم اٹھائیں اس میں دین

کی مصلحت اور اسکی نصرت مدِنظر ہو۔ ہم دین کے غلبہ کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تن پیٹ کا خود ہی انتظام فرما دیں گے۔ لیکن کیا ہماری سیاست آج تک اس راستہ پر کبھی چلی۔؟ یا آج اس راہ پر گامزن ہے۔؟ افسوس کے ساتھ جواب نفی میں دینا پڑتا ہے۔ ہماری بنیادی غلطی یہی ہے۔ جس نے ہمیں ناکامیوں سے دوچار کر دیا۔ ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ مگر غور و فکر کے بعد انشاء اللہ سمجھ میں آجائے گی۔ آئندہ سطریں اس کے سمجھنے میں انشاء اللہ معاون ہوں گی۔

سیکولر ذہن | نعرے فضا کو مضطرب کر سکتے ہیں، مگر حقیقتوں کا بدل نہیں ہو سکتے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی اسلامی نظام کا نعرہ فضا میں گونجنے لگا تھا۔ اور اب تو کیفیت یہ ہے۔ پاکستان کی کوئی سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے۔ جو یہ نعرہ نہ بلند کر رہی ہو۔ یہاں تک کہ جو جماعتیں کھلم کھلا اسلام کے گلے پر چھری پھیر رہی ہیں۔ وہ بھی یہی نعرہ لگا کر چھری پھیرتی ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ عملاً ہماری سیاست بالکل دنیاوی ہے۔ اور ہمارے تیس سالہ سیاسی اقدامات میں نصرتِ دین کا عنصر بالکل مفقود معلوم ہوتا ہے۔ ان سیاسی لیڈروں کا تذکرہ نہیں جو پکے دنیا دار اور فاسق ہیں۔ ان دیندار قائدین کے متعلق عرض ہے۔ جنکی انفرادی زندگی تقویٰ دینداری کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ جب وہ اجتماعی زندگی میں پہنچتے ہیں۔ اور کوئی سیاسی قدم اٹھاتے ہیں تو دنیاوی مصلحتوں اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ دینِ حق پر ان کے اقدام کا کیا اثر ہو گا۔؟ یہ سوال ان کے ذہن میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جماعتی، قومی، صوبائی، ملکی، اقتصادی وغیرہ مختلف قسم کی مصلحتیں ان کے پیشِ نظر ہوتی ہیں۔ مگر دینی مصلحت کا نام اس فہرست میں کہیں نظر نہیں آتا۔ بالفاظ مختصر جن قائدین کا ذہن اپنی انفرادی زندگی میں خالص دینی ہوتا ہے۔ وہ بھی سیاسی مسائل کو سیکولر (SECULAR) ذہن سے سوچتے ہیں۔

سنی ذہن کی ضرورت اور اس کا فقدان | سیاسی پلیٹ فارم پر اسلام کا نام لینے کا رواج اب بھی ہے۔ اور پاکستان بنانے کیلئے بھی اسی نام سے کام لیا گیا تھا۔ مگر ہمارے سیاسی قائدین ایسے "اسلام" کی حمایت و نصرت کا دم بھرتے ہیں۔ جس کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ کیا آپ کسی ایسے انسان کا تصور کر سکتے ہیں۔ جو نہ گورا ہو نہ کالا نہ لمبا نہ ٹھنگنا، نہ دبلا نہ موٹا۔ غرض ہر تشخص اور تعین سے آزاد ہو۔؟ اگر ایسے انسان کا دنیا میں وجود نہیں۔ تو ایسے "اسلام" کا وجود کیسے ہو سکتا ہے۔ جو سنیت، شیعیت، قادیانیت وغیرہ ہر تشریح سے ماوراء اور آزاد ہو۔؟ سیکولرزم کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ سیاسی ادارہ بد دین اور دشمنِ دین ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت ادارہ سیاسی اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی مذہب کی حمایت یا مخالفت کرتا ہے۔ اس میں شامل ہونے والے افراد جو مذہب بھی رکھیں، ادارے کو بحیثیت ادارہ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ یہی طرزِ عمل ہمارے سیاسی اداروں کا ہے۔ ہمارے سنی لیڈروں نے "اسلام" کی کوئی ایسی تعریف

معلوم کرلی ہے۔ جو ہر قید سے آزاد اور "سیکولر" ہے۔ وہ اسی اسلام کی حمایت و نصرت کا دم بھرتے ہیں۔ حقیقی اسلام جس کا نام دین اہل سنّت ہے سیاست نہیں، کبھی ان کا موضوع سخن نہیں بنتا۔ اسی طرز فکر کا نام سیکولر ذہن ہے۔ جبکہ ہماری فلاح کیلئے "سنّی ذہن" کی ضرورت ہے۔

ہم سنّی ہیں اور ہم اس دین کو اسلام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن میں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی رسول کی سنت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور سنت وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی اور جس کا عملی نمونہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی یہی اوّلین اور افضل ترین جماعت تھی۔ اسی اسلام کا دوسرا نام مذہب اہلسنت والجماعۃ ہے۔ جو اسلام صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی پر مبنی ہو یا جو کتاب و سنت میں کسی دوسری کتاب یا کسی دوسرے کی سنت کا ضمیمہ لگانے کی تعلیم دے اسے ہم حقیقی اسلام نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر اسی "اسلام" کی نصرت و حفاظت کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ جسے ہم اسلام حقیقی کہتے ہیں۔ کسی مبہم اور "سیکولر اسلام" کی نصرت و حفاظت کا نعرہ بلند کر کے ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہم دوسرے مدعیان اسلام کے ساتھ شرعی حدود کے اندر رواداری برت سکتے ہیں لیکن یہ کس طرح جائز نہیں کہ ہم انہیں خوش کرنے کیلئے اپنے دین کی نصرت و حفاظت سے دستبردار ہو جائیں۔

ہمارے سیاسی قائدین "سنت" اور "سنی" کا لفظ بھی اپنی زبان پہ لانا ممنوع سمجھتے ہیں۔ ان میں سے گنے چنے لوگ، کبھی کبھار قادیانیوں کے بارے میں کچھ کہہ کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جس اسلام کے غلبہ کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ اس میں قادیانیت کیلئے گنجائش نہیں ہے۔ مگر "سنّی" کا لفظ کبھی بھولے سے بھی ان کی زبان پہ نہیں آتا۔ اور شیعوں سے مغایرت کا کوئی پہلو ان کے کسی قول و اقدام سیاسی میں نہیں نکلتا۔ گویا وہ جس اسلام کی نصرت کے دعویدار ہیں وہ شیعیت کے اعتبار سے "سیکولر" ہی رہتا ہے۔

——— ہمارا سیاسی کارواں شروع سے اسی راہ پر گامزن ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستانی سیاست ستر فیصد شیعی، بیس فیصد قادیانی اور دس فیصد سیکولر سیاست رہی۔ اور آج بھی یہی تناسب قائم ہے۔ سنّی سیاست کا اس میں کوئی جزء نہیں۔ یہ دس فیصد سیکولر سیاست بھی درحقیقت اوّل الذکر دونوں سیاستوں کی خادم و معاون ہے۔ اور اہلسنت کیلئے صرف نعرہ "اتحاد اسلامی" کی "افیون" مہیا کرتی ہے۔ سیاسی میدان میں شیعوں اور قادیانیوں کے درمیان اتحاد کامل ہے۔ قادیانی اقلیت میں بھی ہیں، اس لئے اگر اس فیصد کو بھی ہم شیعہ سیاست ہی ایک جزء کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اسے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ہماری کوئی سیاسی جماعت شیعی اثر سے خالی نہیں۔ اکثر و اغلب سیاسی جماعتوں میں تو شیعہ صاحبان باوجود قلت مقدار عنصر غالب DOMINANT FACTOR کی حیثیت سے داخل ہیں۔ بہت قلیل

تعداد ایسی جماعتوں کی ہے۔ جن میں یہ حضرات رکن کی حیثیت سے نظر نہیں آتے۔ مگر وہ بھی ان کے زیر اثر ہیں۔ اور اپنی مرضی کے خلاف کسی اقدام کی جرأت نہیں کر سکتیں۔ حد یہ ہے کہ ان میں سے بعض دینی رنگ رکھنے کے باوجود "سنی" کا لفظ زبان پر نہیں لا سکتیں۔ جب اس لفظ کے بارے میں بھی احتیاط کا یہ عالم ہے۔ تو اسکی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ کہ یہ سیاسی گروہ اور یہ قائدین کرام بھی اہلسنت کے حقوق والحمد للہ متناسب آبادی کے اعتبار سے مملکت میں ان کے صحیح حصے کے بارے میں کوئی لفظ زبان پر لا سکیں گے۔ یا مذہب اہلسنت کی نصرت وحفاظت کیلئے کبھی کوئی قدم اٹھائیں گے۔؟ یہ لوگ اور تو کیا کر سکتے ان میں سے تو یہ بھی نہ ہو سکا کہ مملکت پاکستان کو "سنی" مملکت قرار دیتے۔ حالانکہ یہاں غالب اکثریت سنیوں کی ہے۔ مملکت کا مذہب "سنی" ہونا لازم ہے۔ "اسلامی نظام" کے داعی ہونے کے باوجود وہ اس نظام کی صحیح نوعیت متعین نہ کر سکے۔ نہ یہ سوال کبھی ان کے ذہن میں پیدا ہوا۔

سیاسی قیادت کے اسی طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ اجتماعی سنی ذہن وجود میں نہ آسکا۔ بلکہ انفرادی ذہن میں بھی بوسیدگی کے آثار پیدا ہونے لگے اور اب تو حال یہ ہے کہ عوام تو عوام خواص میں بھی ایسے لوگوں کی تعداد بہت قلیل رہ گئی ہے۔ جن میں اپنے مذہب اہلسنت کیلئے محبت کا جذبہ باقی ہو۔ یا جو اپنی انفرادی زندگی میں بھی "سنی ذہن" سے سوچتے ہوں۔

—— اسی ذہن کی شکست نے سلطنت مغلیہ کی فلک بوس عمارت کو زمیں بوس کر دیا۔ اسی محرومی نے ہمیں پاکستان کے ایک بڑے حصے سے محروم کیا۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے لئے کوئی حادثہ بھی عبرت خیز اور بصیرت افروز ثابت نہ ہوا۔

اصول سیاست سے غفلت | میں کوئی سیاسی لیڈر نہیں نہ کسی سیاسی جماعت سے میرا کوئی تعلق ہے۔ لیکن الحمدللہ کہ سیاسی مسائل کو سمجھتا ہوں۔ اور اس کے اصول سے واقف ہوں۔ میں متحیر ہوں کہ ہمارے سیاسی قائدین کو اگر دینی نقطۂ نظر سے سیاسی مسائل پر غور کرنا پسند نہ تھا۔ تو انہوں نے اس کے ساتھ اصول سیاست کی طرف سے بھی آنکھیں کیوں پھیر لیں۔؟ جس ملک کی آبادی اکثریت واقلیت پر مشتمل ہو وہاں اقلیتیں اقتدار حاصل کرنے کی پوری کوششیں کرتی ہیں۔ اور کبھی اس سے غافل نہیں رہتیں۔ ایسے مقامات پر اکثریت کو اپنے جائز حقوق کے تحفظ کیلئے خصوصی طور پر کوشش کرنا پڑتی ہے۔ خصوصاً جب یہ اقلیتیں مذہبی ہوں تو وہ اپنے مذہب کی ترویج کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ اور اقتدار حاصل کرکے اس کی قوت سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ خصوصاً جمہوریت میں تو یہ مسئلہ اور بھی شدت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اکثریت کو اپنے دینی اور اپنے سیاسی وملکی حقوق کے تحفظ کے لئے بہت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ یہ اصول عملی

سیاسیات کی ابجد میں داخل ہے ۔ مگر حیرت و افسوس ہے کہ ہمارے سیاسی قائدین کی نظر سے یہ بھی اوجھل رہا۔ انہوں نے ایک لمحہ کیلئے بھی غور نہ کیا۔ یہاں شیعہ اور قادیانی دو بڑی اقلیتیں ہیں جو خود کو مسلمان کہتی اور جنکی اجتماعی بنیاد اسلام کی ایک خاص تشریح پر قائم ہے۔ جو اسکی سنی تشریح سے کلیۃً مختلف بلکہ متصادم ہے۔ اس لئے دین اہلسنت والجماعۃ اور حقوق اہلسنت کی حفاظت کی فکر کرنا لازم ہے۔ پھر یہ بھی ایک بدیہی واقعہ اور سیاسیات کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ کہ ایسے حالات میں اقلیتیں آپس میں اختلافات رکھنے کے باوجود اکثریت کے مقابلے میں اس کے مفادات کو چھیننے اور اسے اس کے جائز حقوق سے محروم کرنے کیلئے متحد و متفق ہو جاتی ہیں۔ ہمارے قائدین نے سیاسیات کے اس ابتدائی اور بنیادی اصول کو بھی نظر انداز کر دیا جسکا واحد سبب "سنی ذہن" کا فقدان ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ہم نصرت الٰہی سے محروم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت اس وقت ہے جب ہم اللہ کے دین کی نصرت کریں۔ ارشاد حق ہے : ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم اگر تم اللہ کی (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی) نصرت کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرماویں گے اور تمہیں (دین پر) ثابت قدم رکھیں گے۔" ——— ہم نے پاکستان، جمہوریت پارٹی وغیرہ بہت سی چیزوں کی نصرت کی مگر دین حق کی کوئی امداد نہ کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری نصرت و امداد نہ فرمائی، اور ناکامی و نامرادی ہمارے ہاتھ آگئی ——— کاش ہمارے قائدین اس واضح نکتہ کو سمجھتے۔

تخریبی کوشش

غنیمت ہوتا اگر صرف بے اعتنائی اور غفلت ہی ہوتی۔ لیکن "سنی ذہن" کے امکانات کو ختم کرنے اور اس کے بچے کھچے آثار کو مٹانے کی کوشش نے اس کے فقدان کے ہولناک نتائج کو اور کرایا۔ یہ کوشش جناب مودودی صاحب کی جانب سے ہوئی جنہوں نے پاکستان بننے سے پہلے ہی "خلافت الٰہیہ" "اسلامی نظام" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس نعرے کی خوبی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ مگر اس کی شرح نے خود متن پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ انہوں نے خلافت و سیاست کو دین کا ایک شعبہ ظاہر کرنے کی بجائے کل دین بنا دیا۔ اور سیاست کو دینی بنانے کی بجائے دین کو سیاسی بنا دیا۔ ان کے نزدیک نماز روزہ درحقیقت خلافت و حکومت کیلئے تربیت کے طریقے و تدابیر ہیں فی نفسہ مقصود نہیں ہیں۔ جن اعلیٰ اخلاق کی تعلیم شریعت دیتی ہے، ان کے پیدا کرنے کا مقصد بھی خلافت الٰہیہ کے لئے صالح افراد کو تیار کرنا ہے۔ فی نفسہ ان اخلاق سے آراستہ کرنا مقصود نہیں۔ موصوف کی کتابیں اور مضامین سے ان کا یہ نظریہ اس قدر واضح ہے کہ کسی حوالے کی احتیاج نہیں۔ تاہم "مشتے نمونہ از خروارے" اس بارے میں انکا ایک قول صریح نقل کرتا ہوں :

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبوں میں بار بار میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ نماز روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے۔ اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔ یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی عبادت کی طرح پوجا پاٹ اور نذر و نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے گا۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کیلئے آپ کو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کیلئے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ اب چونکہ میں اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ اس لئے وقت آگیا ہے۔ کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ وہ مقصد کیا ہے۔ جس کے لئے یہ ساری تیاری ہے۔

مختصر الفاظ میں تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا کام جہاد ہے۔ اور نماز، روزہ حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لئے ہیں۔　(خطبات ص۲۲۷)

مودودی صاحب کے اس "زاویۂ معکوس" نے کتاب و سنت کی تعلیم کے برعکس دین کو سیاست بنا دیا۔ جبکہ دین کا مطالبہ یہ ہے کہ سیاست کو اس کے رنگ میں رنگ کر اس کے تابع اور اسکی باندی بنایا جائے ـــــ۔

ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امت کو یہ معکوس زاویۂ نظر دیا جسے اختیار کرنے سے دین کی ہر چیز اپنی صحیح مقام سے ہٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور کتاب اللہ کے نزول کا مقصد وحید دنیا میں ایک مثالی سلطنت و حکومت قائم کرنا تھا۔ بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرنا نہ تھا، یہی شیعی زاویۂ نظر ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے صحابہ کرام پر تنقید اور ان کی عظمت و عقیدت کو دلوں سے مٹانے کی کوشش بھی پوری قوت کے ساتھ کی۔ اس طرح انہوں نے "شیعی ذہن" کی تخم ریزی کرنے کے ساتھ ساتھ "سنیت" کے رہے سہے احساس اور اسکی حمیت کو اہلسنت کے قلب و ذہن سے ختم کرنے کی کوشش کی جو سنی ذہن کی اصل جڑ اور ہے۔ اور جس کے وجود سے توقع کی جا سکتی تھی کہ شاید کبھی بارانِ رحمت سے سیراب ہو کر نشوونما حاصل کرے اور سنی ذہن کا شجرۂ طیبہ نمایاں ہو کر سرسبز ہو جائے۔

ـــــ سنی ذہن کے خلاف اس تخریبی اقدام کا مقصد کیا ہے۔ صاحب بصیرت (در سنت مراج

تو یہی کہے گا کہ شیعیت کا غلبہ مودودی صاحب کا مقصد ہے۔ اور "اسلامی نظام" سے ان کی مراد شیعی نظام ہے۔ جس کا ایک عملی اظہار وہ مس فاطمہ جناح آنجہانی کو صدر بنانے کی حامل کی صورت میں کر چکے ہیں۔

جماعت اسلامی کے ایک رکن رکین ڈاکٹر اظہر صاحب قریشی نے تو اس مسئلہ میں جماعت کے مسلک کو بالکل واضح کر دیا۔ اس تصریح کی احتیاج نہیں کہ جماعت کی پالیسی مقرر کرنے والے مودودی صاحب ہی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی ایک تقریر کا اقتباس درج ذیل ہے، جو انہوں نے الیکشن کے دوران کی تھی۔

"سربراہ مملکت کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے، سنی عقیدہ کی شرط ضروری نہیں اور جو جماعت اس بات پر اصرار کر رہی ہے، وہ اپنے ہی تیار کردہ بائیس نکات کے خلاف ایسا کر رہی ہے۔" (روزنامہ "حریت" کراچی مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۷۰ء)

ابھی یہ واقعہ بھی لوگوں کو یاد ہو گا کہ مودودی صاحب نے یحییٰ خان سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر وہ جمہوریت قائم کر دے تو اسی کو مزید پانچ سال کے لئے صدر منتخب کیا جائے گا۔

—— دوران الیکشن کی ایک بات اور یاد آگئی "جنگ" کا تراشہ میرے سامنے ہے جس میں جماعت اسلامی کے ایک حامی عبد اللطیف صاحب شیخ کا ایک مضمون جماعت کی حمایت اور علماء کی مخالفت میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو :-

"یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ گزشتہ تیس سال سے جماعت اسلامی مسلسل طبقہ واریت کے خلاف جہاد کر رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ یہ پاکستان کی واحد دینی جماعت ہے جس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ خواہ سنی ہوں، شیعہ ہوں یا دیوبندی تبلیغ اسلام کیلئے جمع ہیں۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء)

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :-

"میں یہاں پر یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر شیخ مجیب نے بنگالی ازم اور پیپلز پارٹی نے سوشلزم کا نعرہ لگایا تو جماعت اہلسنت جو کہ اپنے آپ کو جمعیۃ علماء پاکستان بھی کہتی ہے۔ "سنی ازم" کو ابھار رہی ہے۔ (حوالہ مذکور)

گویا مضمون نگار کے نزدیک بنگالی ازم اور سوشلزم کے نعرے اور مذہب اہلسنت کے نعرے میں کوئی فرق نہیں۔ سب کا مقام ایک ہی صف میں ہے۔ اور "سنیت" ان دونوں کی طرح معاذ اللہ باطل ہے۔ اس نمونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے "سنی ذہن" کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے میں کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اور اپنے معتقدین کو کس نوعیت کا ذہن

دیا ۔ اور تحریک سے ان کا حقیقی مقصد کیا ہے ۔ ؟

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں
سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ سے

——— ان اندرونی حالات نے دین حق یعنی مذہب اہلسنت والجماعۃ کیلئے سیاسی فضا کو کس قدر زہر آلود کر دیا ہے ۔ ؟ یہ امر کسی ایسے سنی کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا جس میں ذرہ برابر بھی دینی حمیت اور مذہبی احساس موجود ہے ۔ ان کے ساتھ اگر ان بیرونی مساعی و تدابیر کو بھی سامنے رکھتے جو مذہب اہلسنت کے کھلے ہوئے دشمن اسے مٹانے کیلئے کر رہے ہیں ۔ تو آپ کو ان خطرات کی ہولناکی کا کچھ اندازہ ہوگا جنہوں نے پاکستان میں دین حق کو گھیر لیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دین متین کی حفاظت کی پوری کوشش نہ کی گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ خاکم بدہن اسلام حقیقی یعنی مذہب اہلسنت اس ملک سے رخصت ہو جائیگا ۔ کم ازکم آئندہ نسل سنی نہ ہوگی ۔ العیاذ باللہ ۔ ——— کیا ہمارے قائدین اس اہم ترین مسئلے کیطرف توجہ فرمائیں گے ۔ ؟

پی سی ٹی
مارکہ
پرزہ جات سائیکل
پاکستان میں سب سے اعلیٰ اور معیاری
بٹ سائیکل سٹور نیلا گنبد ۔ لاہور ۔ فون نمبر 65309

خوبصورت اور دیدہ زیب ملبوسات کیلئے
ہمیشہ یاد رکھئے

الیف پی ٹیکسٹائل ملز لیمیٹڈ جہانگیرہ روڈ

فون ۱۰۱ ۱۲۷ (نوشہرہ)
تار FPTEX اللہ بخش کالونی